مولوی عبدالحق : ایک مطالعہ

ابوسلمان شاہجہانپوری

کسی شخص کی عظمت کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کی زندگی افسانہ بن جائے دنیا کی بہت سی عظیم شخصیتوں کو افسانوں ہی میں تلاش کیا جا سکتا ہے، بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم بھی ایک عظیم شخصیت تھے ان کے بارے میں بھی موافقین و مخالفین میں بہت سی ایسی باتیں مشہور ہو گئی ہیں جن کا اصلیت سے کوئی تعلق نہیں انھیں افسانے ہی کہا جا سکتا ہے۔

مولوی صاحب مرحوم کے متعلق کسی نہ کسی طرح یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ وہ ملحد اور بے دین تھے، خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہیں رکھتے تھے، عذاب و ثواب اور جنت اور دوزخ وغیرہ کو نہیں مانتے تھے لیکن جب ہم ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی بے دینی کی شہرت افسانے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک شخص جس نے مذہب اسلام، خدا اور رسولؐ اور اس کے احکام کے بارے میں صاف صاف انھیں خیالات کا اظہار کیا ہو جو ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے ہو سکتے ہیں، اس کی بے دینی کی شہرت ہو۔

مولوی صاحب مرحوم نے اسلام اور اسلامی احکام کے بارے میں صاف اور واضح الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور یہ خیالات بھی کہیں انھوں نے اپنی صفائی میں پیش نہیں کیے، بلکہ اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے بیان کیے ہیں۔ اس ترجمانی میں نہ سائنس سے مرعوبیت ہے نہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی کوئی جدید تعبیر کی ہے نہ محض عقل کے گھوڑے دوڑائے ہیں نہ محض جذبات کے پیچھے پڑے ہیں۔ اسلام اور اسلامی عقائد و تعلیمات کے بارے میں انھوں نے جو کچھ کہا وہ ایسے سینکڑوں ہزاروں

لوگوں کے سینے جو سائنس اور فلسفہ ہی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں۔ بصیرت افروز اور ایمان پرور ہے۔ مولوی صاحب مرحوم نے سائنس اور فلسفہ کے مقابلہ میں مذہب اور پھر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی ترجمانی جن مضبوط دلائل اور خوبصورتی کے ساتھ کی ہے وہ صرف انھیں کا حصہ تھا۔ انھوں نے جو کچھ کہا بیانگ دہل کہا، فخر کے ساتھ کہا اور عقیدہ کی پوری مضبوطی کے ساتھ کہا۔ اسلام، اسلامی اخلاق اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں مذہب و سائنس کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"اسلام نے اپنا دائرہ اس قدر وسیع کر لیا ہے کہ اس سے زیادہ وسیع ہونا ممکن نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کا ہمیشہ بول بالا رہے گا اور دنیا پر اس کی حکومت ہوگی۔ اسلام نے مذہب کی تکمیل کر دی اور خدا کی نعمت کو سارے عالم پر پھیلا دیا۔ اس کا مشرب اس قدر ہمہ گیر، اس کے اخلاق اس قدر پاکیزہ اور اس کی تعمیل اس قدر اعتدال پر مبنی ہے اور انسان کی ترقی کی ممد ہے کہ دنیا کی مادی اور روحانی ترقی کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔"

"یہ محض استدلال ہی نہیں بلکہ خود پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور پاک باطن خلفاء اور تابعین نے اپنے عمل سے اخوت اسلامی اور سالمیت اور ایثار کا سچا سبق دیا جس کی شہادت میں تاریخیں بھری پڑی ہیں۔"

مولوی صاحب نے مذہب و سائنس کے مقدمہ کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔

"غرض اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو مادی اور روحانی ترقی، دنیاوی تمدن اور اخروی راحت، عقل اور جذبات، مذہب اور سائنس میں توافق اور توازن رکھنے والا ہے۔ اب تک قدیم مذاہب میں کسی نے صداقت کے ایک ہی پہلو پر زور دیا تھا، اور کسی نے دوسرے پہلو پر، مگر اسلام نے صداقت اور حقیقت کے کسی ایک پہلو کو نظر انداز نہیں کیا اور ان سب کو اس اعتدال اور اس خوبی کے ساتھ ترتیب دیا کہ اس کی نسبت یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ خاتم المذاہب ہے، اور اکمل الادیان ہے اور انسان کی ترقی اور نجات کا سچا اور صحیح راستہ ہے۔"

تعجب ہوتا ہے کہ ان سطور کے لکھنے والے کی بے دینی اور الحاد کا چرچا کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ آخرت پر، عذاب و ثواب پر اور سب سے بڑھ کر خدا اور رسولؐ پر ایمان نہ رکھتا تھا۔ اگر بابائے اردو نے ان سطور کے سوا اسلام اور خدا اور رسول کے بارے میں ایک حرف بھی نہ لکھا ہوتا، تب بھی کوئی انصاف پسند ان کو ملحد اور بے دین کہنے کی جرأت تو ہرگز نہ کر سکتا تھا لیکن انھوں نے سطور بالا ہی نہیں لکھیں، سطور ذیل بھی اسی مرحوم کے قلم سے ہیں۔

"مختلف زمانوں میں مختلف نبی آئے اور اپنے اپنے عہد میں انھوں نے اصلاح کی کوشش کی لیکن وہ اصلاح صرف اسی زمانے کے متعلق تھی ..... اس وقت کسی جدید مذہب کے قائم کرنے یا جدید صداقتوں کے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اصل حق ظاہر کرنے کے لیے صداقت کے مختلف پہلوؤں کی ترتیب کی ضرورت ہے، ہماری رائے میں اس کام کو اسلام نے خاطر خواہ انجام دیا۔"

مولوی صاحب مرحوم کے نزدیک مبالغہ سب سے بڑی آفت ہے، یہی انسانی انحطاط و تنزل کا باعث، تمام شر و فساد کی جڑ، تمام اختلافات و تضادات کی بیخ ہے، اور اعتدال سب سے بڑی خوبی ہے انسانی سعادتوں کا سرچشمہ امن و اطمینان کا منبع اسی کا نام اخلاق حمیدہ، اسی کا نام عمدہ سیرت و کردار ہے۔ غرض کہ تمام اچھے کاموں اور تمام خوبیوں کی روح اعتدال ہے۔ تمام حقیقتوں اور تمام صداقتوں میں اعتدال ہی کا دوسرا نام اسلام ہے۔ مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"مذہب کے لیے سب سے بڑی آفت مبالغہ ہے ایک مذہب نے کسی ایک خوبی کو لیا اور اسے آسمان پر چڑھا دیا اور دوسری خوبیوں کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ دوسرے نے کسی دوسری خوبی پر اس قدر زور دیا کہ باقی خوبیوں کی کچھ حقیقت نہ رہی۔ یہودی مذہب نے ظاہری ارکان کی پابندی میں اس قدر مبالغہ کیا کہ باطنی صفائی پس پشت جا پڑی اس کے خلاف عیسائی مذہب نے باطنی صفائی پر اس قدر زور دیا کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو دنیاوی تعلقات سب ہیچ رہ جاتے ہیں، غرض مذاہب نے صداقت کے پہلوؤں کو

خاص نظر سے دیکھا اور باقی پہلو یوں ہی رہ گئے اسی مبالغہ سے مذہب میں انحطاط اور تنزل پیدا ہوا حالانکہ وہ بات جو باعث انحطاط ہوئی بڑی خوبی کی تھی۔ لیکن اس میں مبالغہ اس قدر کیا کہ وہ خود نوعیت ہو گئی اور دوسری خوبیاں اس مبالغہ کی وجہ سے کمزور ہو گئیں جس طرح کسی خاص عضو کی ورزش کرنے سے دوسرے اعضا کمزور ہو جاتے ہیں اسی طرح اخلاقی اور روحانی قوتوں کا بھی حال ہے کہ ایک پر زور دینے سے دوسری کمزور ہو جاتی ہیں۔ مذہب کی کامل صداقت اور کامیابی کا راز یہ ہے کہ وہ سب میں اعتدال قائم رکھے۔"

اس سے آگے انسانی زندگی کی مختلف حالتوں میں تضاد و اختلافات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"انسان کی دو حالتیں ہیں، ایک جسمانی دوسری روحانی اور ان دونوں میں آپس میں اختلاف اور عناد ہے پھر روحانی حالت کی دو صورتیں ہیں، ایک عقل دوسرے جذبات اور یہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اخلاق و تمدن کا تنہا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ تعلق نہیں بلکہ یہاں دونوں (یعنی عقل و جذبات) گڈمڈ ہو جاتے ہیں، اور اس کی بھی دو صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک انسان کی ذاتی ضرورتیں، دوسرے سوسائٹی کی ضرورتیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کی مخالف ہیں اور باہم ایک دوسرے سے جد و جہد رکھتی ہیں، کیونکہ انسان شخصی حیثیت سے حقوق رکھتا ہے اور بحیثیت رکن سوسائٹی اس پر فرائض عائد ہیں۔ بہ حیثیت انسان ناطق کے وہ کامل آزادی چاہتا ہے، سوسائٹی اس آزادی کی مانع ہے۔ شخصی ترقی کے لیے کامل آزادی کی ضرورت ہے لیکن تمدنی ترقی کے لیے حکومت کی ضرورت ہے جو اس قسم کی آزادی کو روکتی ہے اس لیے آزادی اور حکومت میں ہمیشہ جنگ و جدل رہتی ہے۔"

یہ تذکرہ تو مبالغہ کی آفتوں کا تھا ان حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

اسلام کا ظہور ہوا دیکھنا یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی تعلیمات سے کیا انقلاب آیا، آپؐ نے انسانی زندگی کے معمے کو کس طرح حل کیا اور ان حالات میں اسلام کی خدمات کا مقام کیا ہے مولوی صاحب فرماتے ہیں:

"غرض انسان اپنے تمام خیالات و تعلقات میں اختلافات میں گھرا ہوا ہے اور یہ اختلافات رفتہ رفتہ عناد اور عداوت تک پہنچ جاتے ہیں جو مذہب و تمدن کی تخریب کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لیے انسان اور انسانی تمدن کی بہبودی کے لیے ضرورت ہے کہ اس کی اصلاح کی جائے۔

لہذا اس کامل اصلاح کے لیے ایک انسان کامل کی ضرورت تھی، جو ملک عرب میں مبعوث ہوا اس نے انسان کی مختلف حیثیتوں اور صداقت کے مختلف پہلوؤں پر ایسی غائر نظر ڈالی کہ جو اختلافات اب تک چلے آرہے تھے، مٹ گئے اور ایک ایسے مذہب کا سلسلہ قائم ہوگیا جو انسان کی دنیوی اور دینی نجات کا باعث ہوا۔ پیغمبر خدا صلعم ان اختلافات کی بنیاد اور اصلاح کے اصلی راز کو خوب سمجھتے تھے اور اس لیے انھوں نے مبالغہ سے احتراز کیا اور اعتدال کو مدنظر رکھا، اور ان اختلافات میں ہمیشہ کے لیے مصالحت پیدا کردی۔ یہ وہ راستہ تھا جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ پیغمبر خدا نے اس معمے کو حل کیا اور انسان کی کامل بہبودی اور اصلاح کی بنیاد ڈالی جس کا احسان اس عالم پر ہمیشہ رہے گا۔"

اعتدال کے بارے میں مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں،

"جس طرح مبالغہ انحطاط و زوال کی علامت اور تمام خرابیوں کی جڑ ہے اسی طرح اعتدال تمام نیکیوں کی اصل ہے، انسان کی حالت اسی کش مکش میں ہے کہ وہ مبالغہ سے بچ نہیں سکتا۔ اگر ایک طرف جاتا ہے تو دوسری طرف سے محروم رہ جاتا ہے

اس لیے ایسی تعلیم کی ضرورت تھی جو اعتدال پر رکھے اور اس کی کسی قوت میں زوال نہ آنے پائے، اعتدال نہ صرف انسانی معاملات اور دنیا کے امور کی اصلاح کے لیے ضروری ہے بلکہ تمام اخلاق و نیکی اور کل کائنات کا دارو مدار اسی پر ہے، یہ زمین، یہ سیارے یہ نظامات جو گردش میں ہیں اگر بال برابر اپنے اعتدال سے تجاوز کریں تو عالم میں ایک قیامت برپا ہو جائے اور یہ سارا کارخانہ خاک میں مل جائے یہی حال کائنات کی ہر شے میں ہے۔ نیکی و بدی کیا ہے؟ اخلاق کیا ہے؟ صحت کسے کہتے ہیں؟ ذوق کس چیز کا نام ہے؟ اگر ان سب باتوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان سب کا مدار اعتدال پر ہے۔ جہاں یہ نہیں وہاں قیام و استحکام کی صورت نہیں۔ اسی عالم گیر اور پُر معنی اصول پر پیغمبر اسلام کی تعلیم مبنی ہے اور اسی اصول پر نظر نہ رکھنے سے قدیم مذاہب میں انحطاط و زوال پیدا ہوا۔ اسلام نے اس کمی کو پورا کیا اور اپنی تعلیم سے ہمیشہ کے لیے ایسی بنیاد قائم کر دی جس میں انحطاط و زوال نہیں آسکتا۔"

بابائے اردو نے اعتدال کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا اس کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا۔ لیکن ذرا آپ سورۂ بقر آیت ۱۴۳ (اور اس طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر) پر غور کیجیے اور پھر غور کیجیے کہ بابائے اردو کے ان افکار کا ماخذ کیا ہے۔ ان کی تحریر میں کس چیز کی روح بول رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بابائے اردو نے جو کچھ کہا وہ قرآن کے ایک مختصر جملے کی حکیمانہ تفسیر ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب مرحوم نے قرآن کی اس تعلیم کو کس طرح اپنے ذہن و دماغ میں سمو لیا تھا۔

نیکی کی اصل و حقیقت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی ترجمانی کس حسن و خوبی کے ساتھ فرماتے ہیں:

"اگرچہ رہبانیت کو اسلام نے خارج کیا ہے اور حسن معاشرت کے متعلق احکام دیے ہیں لیکن یہ بھی ہدایت کی ہے کہ دنیا ہی میں منہمک نہ ہو جاؤ کیونکہ دنیا کی زندگی دھوکے کی ٹٹی ہے۔ نماز روزے حج کی تاکید کی ہے ظاہری ارکان پر بھی ایک حد تک نظر رکھی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوا کہ نیکی کے یہ معنی نہیں کہ نماز کے لیے پورب پچھم کو منہ پھیر دیا بلکہ اللہ کی محبت میں عزیز و اقارب، یتیموں، محتاجوں، مسافروں کو اپنا مال دینا، غلاموں کو آزاد کرنا، زکوٰۃ دینا، نماز پڑھنا، اپنے عہد کو پورا کرنا، سختی اور تکلیف میں ثابت قدم رہنا۔ اس سے بڑھ کر نیکی کی کیا تعریف ہو سکتی ہے؟ اس کا مدار محض ظاہری ارکان پر ہی نہیں ہے بلکہ خدا کی سچی محبت اور انسانوں کے ساتھ سچی ہمدردی اور ایثار میں ہے۔"

"اسلام کی بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ دنیا اور آخرت، مادی اور روحانی عالم دونوں کی رعایت رکھتا ہے۔ اور جب انسان ظاہری ارکان اور اصولی کا پابند ہو گیا تو پھر نیکی کے معنی اس کے لیے وسیع ہو جاتے ہیں اور وہ آگے قدم رکھتا ہے اور اس کا روحانی احساس قوی ہونے لگتا ہے۔ خود آنحضرت صلعم کی زندگی اس کی سچی مثال ہے۔"

مولوی صاحب مرحوم نے نیکی کی جو تعریف کی وہ کوئی ان کے دماغ کی اپج نہ تھی بلکہ یہ تعریف وہی ہے جو قرآن نے کی ہے اشارہ حقیقتاً سورۂ بقر کے ایک مضمون کی جانب ہے۔ آیت کا مکمل ترجمہ یہ ہے:

"نیکی اور بھلائی (کی راہ) یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھم کی طرف کر لیا (یا اس طرح کی کوئی دوسری بات رسم و ریت کی کر لی) نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لائے ہیں۔ خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں

کو آزاد کرانے کے لیے خرچ کرتے ہیں؛
نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں۔ جب قول و قرار کر لیتے ہیں تو اسے پورا کر کے رہتے ہیں۔ تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت، ہر حال میں صبر کرنے والے (اور اپنی راہ میں ثابت قدم ہوتے ہیں) تو بلا شبہ ایسے لوگ ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہوئے اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے انسان ہیں۔" (۲ : ۱۷۷)

جس شخص کے قلم سے اسلام کی یہ ترجمانی اور قرآن کی یہ تفسیر ہو رہی ہے کیا کسی درجہ میں بھی اس کے بارے میں یہ شک دل میں پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ خدا پر، اس کے رسولؐ پر، قرآن پر اور اسلام کی سچی تعلیمات پر ایمان نہ رکھتا تھا؟

اعتدال کی یہ تعلیم اسلام نے انسانی زندگی کے کسی ایک گوشہ ہی میں نہیں دی بلکہ دین و دنیا عبادات و اخلاق اور معاملات و تعلقات کے تمام گوشوں میں اس نے رہنمائی کی ہے۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں:

"اسی طرح اسلام نے تمام تعلیم میں اعتدال کو مدِ نظر رکھا ہے خواہ عبادات میں ہو یا اخلاق میں مثلاً یہ فرمایا کہ:

برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے بدلہ لو تو اس کے بدلہ میں اسی قدر تکلیف دو جتنی تمھیں پہنچی تھی، لیکن اگر صبر کرو، درگزر کرو، معاف کرو اور بخش دو تو اللہ تمھیں دوہرا اجر دے گا اور اللہ ایسے لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

اور اس کو بار بار مختلف مقامات میں تاکید سے بیان کیا ہے اور بدلہ کے مقابلہ میں عفو کا درجہ بہت بڑا بتایا ہے۔ آخر یہاں تک کہہ دیا ہے کہ تم گنہگاروں، خطاکاروں اور دشمنوں اور مخالفتوں سے شیوہ عفران اختیار کرو گے تو خدا بھی تمھاری خطاؤں سے درگزر کرے گا۔ یعنی بدلہ لینا اگرچہ انسان کی عادت میں داخل ہے اور مقتضائے

عدالت ہے لیکن اخلاق کریمانہ کا یہی مقتضا ہے کہ برائی کے عوض بھلائی کرو اور مخالفوں کی خطاؤں اور برائیوں کو معاف کرو اور عموماً درگذر کرو۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ بری بات کا جواب ایسا دو جو سب سے بہتر ہو۔ ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا "نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی۔ برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم دیکھ لوگے کہ تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے گویا وہ تمھارا دل سوز دوست ہے اور حسن مدارات کی توفیق انھی لوگوں کو دی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں۔ پھر یہ بھی سمجھایا ہے کہ کسی قسم کی عداوت تم کو عدل کرنے سے باز نہ رکھے اور کسی جماعت کی دشمنی تم کو انصاف کرنے سے نہ روکے تم کو اپنے دشمن اور دوست سب سے عدل کرنے سے باز نہ رکھے اور کسی جماعت کی دشمنی تم کو انصاف کرنے سے نہ روکے تم اپنے دشمن اور دوست سب سے عدل و احسان اور انصاف کا برتاؤ کرو۔ چنانچہ فرمایا ہے:

"اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے لیے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث عدل نہ چھوڑو تقوا کی بات یہی ہے کہ تم عدل کرو۔"

اس سے بڑھ کر حسن معاشرت اور نیکی کی اور کیا تعلیم ہو سکتی ہے۔

اسی طرح روپے پیسے کے کمانے اور اس کے صرف میں اعتدال کی ہدایت کی ہے "کھاؤ پیو، مگر اسراف نہ کرو، اللہ مسرفوں کو پسند نہیں کرتا۔" خرچ کرنے والے فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگ دستی کریں۔ متعلقین کے حقوق دیتے رہو اور دولت کو بے جا نہ اڑاؤ دولت کے بے جا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔ جس کی تم کو توقع ہے ان سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے ان کو سمجھا دو اپنا ہاتھ نہ اتنا سکیڑو کہ گردن میں بندھ جائے اور نہ بالکل ایسے پھیلا ہی دو کہ تہی دست ہو کر لوگوں کی ملامت سننے بیٹھو۔"

اسی طرح مساوات کی اسلامی تعلیم کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"پھر اسلام نے ایک دوسری اعلیٰ تعلیم دی ہے جو تمدن کی جان اور ترقی عالم کی روح رواں ہے فرمایا ہے کہ انما المؤمنون اخوۃ یعنی مسلمان سب بھائی بھائی ہیں، یہ بات صرف اسلام میں پائی جاتی ہے کہ ایک ادنیٰ غلام اور شہنشاہ برابر ہے۔ اور صرف یہ قول ہی قول نہیں بلکہ ابتدائے اسلام سے اب تک اسی پر عمل جاری ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے غلام بھی بڑے بڑے شہنشاہ ہو گزرے ہیں۔ ..... مسلمان کہیں ہو اور کوئی ہو وہ مسلمان ہے اس کا وطن سارا عالم ہے اور اس کی برادری سب مسلمان ہیں چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ

سب مل کر مضبوطی سے اللہ کی رسی کو پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہو اللہ کا وہ احسان یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کی اور اس کے فضل سے تم بھائی بھائی ہو گئے"۔

یہ ہیں بابائے اردو کے مذہبی تصورات یہاں ان کو مختصراً عرض کیا گیا۔ انھوں نے جو کچھ کہا اس سے ان کے عقیدہ اور انداز فکر پر روشنی پڑتی ہے ان کے خیالات بصیرت افروز بھی ہیں اور ان کی ایک علمی قدر و قیمت بھی ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مذہب کو دنیاوی علوم و فنون، افکار علمیہ، اور مذاہب فلسفہ میں کس طرح رچ بس گئی تھیں، ان کے حقائق کے بعد ان کے بارے میں الحاد و بے دینی کا خیال کرنا ان پر سراسر زیادتی معلوم ہوتا ہے۔